

# عصر حاضر کے نام سیرت نبوی کا پیغام

سید محمد عبد اللہ

ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ چشمین اردو دائمہ معارف اسلامیہ جامعہ بنجاب نے یہ مقالہ یانپھریں قومی سیرت کانفرنس منعقدہ ۱۲ - ۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ میں کلبی خاطری کی حیثیت سر پیش کیا۔ ڈاکٹر صاحب قلم کی اجازت سے ہم اسے نظر ثانی کرے بعد اسے فکر و نظر میں شائع کر رہے ہیں۔ (مدیر)

یہ پیغام وہی ہے جو اسلام کا پیغام ہے اور یہ صرف عصر حاضر کے لئے نہیں بلکہ آخر والی ہر عصر اور ہر دور کے لئے ہے، جو رب المغارق و المغارب نے اپنی آخری نبی کے ذریعہ بھیجا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف جامع ترین شخصیت کے مالک تھے۔ بعض غیر مسلم مفکرین نے بھی یہی تسلیم کیا ہے۔ مثلاً جیسا کہ دوسروں کے علاوہ پروفیسر آر، ڈبلیو، جرج آسٹن<sup>(۱)</sup> نے ایک اپنے مضمون میں خراج عقیدت پیش کرنے ہوئے کہا ہے:

“.....He is the archetype or norm of Humanity par excellence in whom all aspects of being unique (unite) at the centre are in perfect harmony and balance.” (P. 68, ‘The Prophet of Islam’ in the Book *The Challenge of Islam* ed. by Altaf Gohar. 1978).

بلکہ آپ کو خاتم النبیین ہونے کے لحاظ سے جملہ حکوم نبوت پڑھجئے۔

اتم حاصل تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دھلویٰ کی تحقیق و تشریح کے مطابق جملہ علوم نبوت یا کمالات نبوت آپ کو عطا ہونے۔ یہ کمالات ہیں رشد و ہدایت، علم و

(۱) فاضل مضمون نگار یونیورسٹی آف ذرہم (یوک) میں مقابل مذاہب اور تصوف کے استاد ہیں۔

حکمت اور تدبیر و سیاست و ملکداری ، اور یہ وہ کمالات ہیں جو عطیہ ایزدی ہیں ، اکتسابی نہیں - یہی وجہ ہے کہ سوشیالوجی کے جدید نامور ماہرین ان کمالات کو (CHARISMA) کا نام دے کر اسے مختار العقول سمجھتے ہیں - دراصل ان علوم کی دریافت کے لئے وہ آنکھ اور دل مطلوب ہیں جو علم ظاہری سے نہیں نورِ ایمان سے منور ہوں -

آج حضور پُر نور کا یوم ولادت با سعادت ہے - اس کا تقاضا ہے ، نیز اس فضا کا بھی ہے جو مملکت خداداد پاکستان میں پیدا ہو چکی ہے تقاضا ہے کہ حضور کی تعلیمات کو داخلی اور خارجی طور سے سارے عالم میں پھیلا جائے - اگرچہ جو دھرم صدیاں گزر کر اب اسلام پندرہویں صدی میں داخل ہو چکا ہے ، لیکن دنیا کو (اور خود عالم اسلام کو) علوم بتوت یہ نبی رشد و ہدایت ، علم و حکمت ، تدبیر ملکداری اور نظام معاشرت و سیاست کی بالکل اسی طرح ضرورت ہے جس طرح ظہور قدسی کی وقت نہیں کیونکہ آپ نا قیامت بشیر بھی ہیں اور نذیر بھی - چونکہ حضور کی نظر میں دین خیر خواہی کا نام ہے (جنانچہ فرمایا : *الَّذِينَ النَّصِيحةَ*) اس لئے اس خیر خواہی کے ساتھ یہ امر لازم ہو جاتا ہے کہ مذکورہ سعادتوں کو تمام عالم میں پھیلا دیا جائز جو حضور کی سیرت اور اسوہ حسنہ اور تعلیم میں ہیں تاکہ دنیا راحت و اطمینان اور فلاح دارین حاصل کر سکے -

یاد رہئے کہ عصر حاضر کی ترکیب میں مغربی تہذیبی دنیا بھی شامل ہے اور سارا مشرق اور عالم اسلام بھی - اس سلسلے میں حضور ﷺ کے پیغام کو دو آئینوں میں سمیٹا جا سکتا ہے - مسلمانوں کے لئے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أَسْوَأُ حَسَنَةٍ اور باقی عالم (عامة الناس) کے لئے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ - جہاں تک خاص مسلمانان عالم کا تعلق ہے ان کے لئے حضور ﷺ کا ایک بنیادی پیغام دو نکتوں میں جمع کیا جا سکتا ہے پھر نکس سے ہو گا کہ اے مسلمانان عالم متفق و متحدون ہو جاؤ ، تفریق و انتشار سے بچو - بقول اقبال ہے

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کرے لئے  
نیل کرے ساحل سے لے کر تابخاک کا شفر

اس وقت عالم اسلام کی جو حالت ہے وہ یقیناً تشویشناک ہے۔ مسلم اقوام اپنی داخلی کوتاہیوں اور زیادہ تر درآمد شدہ احتجاجی تصورات سے مغلوب ہو کر شقاق و افتراق کی بری حالت میں ہیں جو **أَذْهَلُوا فِي السِّلْمِ** کافہ کی رو کے منافی روئیے ہے۔ اس وقت مسلم معالک نے جن بیناودن پر خود کو تقسیم کیا ہوا ہے وہ سراسر غیر مناسب ہیں۔ چنانچہ افغانستان سے لے کر عرب اور افریقہ تک عام طور پر باہمی یعنی تعلقی کا عالم ہے، لہذا قدرتی طور سے حضور اپنی امت کو آج بھی وہی فرمانیں گے جو عربوں سے فرمایا تھا اور اتحاد کی نعمت کی بشارت دے کر افتراق سے بچنے کی تلقین کریں گے۔ اور یہ حق اتفاق ہے کہ حال ہی میں صدر مملکت، جنہیں قدرت نے بہت سی جگہ اپنے دین کی پاسبانی اور ترجمانی کا شرف بخشنا ہے، بتناضانے آیہ کریمہ وَ إِن طَائِفَاتٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ أَتَتَلَوَّا فَاصْلِحُوا بَيْتَهُمَا ایران اور عراق کے مابین مصالحت کروانی کرے لئے ایک اور خیر سکالی مشن انعام دے کر واپس لوٹیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزاً خیر دے۔ جس طرح حضور کے زمانے میں اتحاد واقعی ایک نعمت عظیم نابت ہوا تھا اور آپ کی امت دیکھتے دیکھتے ساری دنیا پر چھا گئی تھی، آج بھی نعمت اتحاد و اتفاق اپنے اندر ویسے ہی روشن امکانات رکھتی ہے بلا شبہ۔ چودھویں صدی میں زوال کرے سانچے گھرے رہے مگر پندرہویں صدی جملے قرآن کی رو سے امید افزا صدی ہے۔ یہ اس شرط سے ہے کہ مسلمان اپنے روحانی رشتون کو اپنے اتحاد کی اساس قرار دے لیں۔ اور ان رشتون کرے تابع وسائل مادی کی تنظیم کر کر خود کو ایک بینان مخصوص بنا لیں۔

دوسرًا نکتہ حضور ﷺ کے پیغام کا یہ ہو گا کہ اے مسلمانان عالم اپنے اصلی نصب العین یعنی دعوت حق کو فراموش نہ کرو اور موعظہ حسنے اسلام کو آج کرے دور میں آج کی زبان اور آج کرے معاویتے میں پیش کرو اور حکمت تسخیر کائنات سے بہرہ مند ہو جاؤ۔ دوسروں کی نکتالوجی سے مرجحوب

هو کر نہیں بلکہ وَأَعْدُوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعُتُمْ مِنْ فُقْهٍ کی علاوہ ایمان و یقین ، اعمال صالحہ اور یوم آخرت کی ایقان سے مستحکم ہو کر ، اس اصول پر آگئے بڑھو جس کا درس سیرت نبی میں ملتا ہے ۔ وہ درس خدا کی ارشاد : وَاعْتَصِمُوا بِعَيْنِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرُّقُوا میں ہے ۔

یہ تو رہا سادہ سا یہ غام حضور انور کی طرف سے مسلمانان عالم کے نام جس کی تفصیلات قرآن مجید میں الگ الگ بھی ہیں اور یکجا بھی جنہیں مصری فاضل محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب حیات محمد میں یکجا جمع کر دیا ہے (دیکھئے مذکورہ کتاب کا صفحہ ۵۳۴ - ۵۳۵) یہ گویا ایک منشور انسانیت ہے جو مسلمانوں کی علاوہ سارے عالم کے لئے بھی ہے ۔ اس میں سب نیکیاں جمع ہیں اور اسلام عبارت اسی عمل بالمعروف اور اجتناب عن المنکر سے ہے ۔ اس میں حقوق اللہ ، حقوق العباد اور دیگر اکثر معاشرتی تلقینات موجود ہیں جو زندگی میں پاکیزگی ، توسط ، حسن معاملہ اور ثروت قلوب ییدا کرتی ہیں اور معاشرتی کو اس بی آہنگی سے بجا تی ہیں جو مغربی دنیا میں روز بروز بڑھتی جاتی ہے ۔ مگر اس کا ذکر آگئے آئی گا (حضور کے دوسرے معاشرتی و اخلاقی احکام کے لئے یکجا دیکھئے مولانا بدرا عالم کی کتاب ترجمان السنۃ جلد دوم و سوم)

موضوع کا عنوان تقاضا کرتا ہے کہ حضور کی سیرت پاک کے حوالے سے عصر حاضر (یعنی مغرب) کے فکری و معاشرتی احوال پر بھی کچھ گفتگو کی جائی اور یہ بتایا جائز کہ حضور کی تعلیمات سے مغرب کس طرح مستفید ہو سکتا ہے ۔

یہ امر واقعہ ہے کہ مغرب سائنس اور ٹیکنالوجی میں انتہائی ترقی تک پہنچ چکا ہے لیکن ان عظیم الشان ترقیات کے باوجود جیسا کہ ان کے ادب اور فکری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے وہاں کے افراد سخت بے اطمینانی میں مبتلا ہیں ۔ ابسا نظر آتا ہے کہ ان کے بنیادی تصورات کسی خاص قسم کے عدم توازن کا شکار ہو چکر ہیں اور انہیں واقعی کسی ایسے بیعام کی ضرورت ہے جس سے ان کے معاشرے کا توارن بحال ہو جائے اور ہمارا یقین یہ ہے کہ وہ بیعام رحمت

حضرت رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات (قرآن مجید اور سیرت نبویہ) میں موجود ہے۔ رحمت سے مراد کیا ہے؟ اس لفظ کا مادہ رحم (رح م) ہے لور رحیم، رحمن بھی مفسرین اور عام عرب زبان شناسوں کی نزدیک اسی مادے سے ہیں۔ «رحم مادر» کی ترکیب کرے حوالی سے اس کے معنی مفہوم میں پہت سے جذبات محبت و تربیت آگئی ہیں۔ اس کے معنی محبت، شفقت، فرمی اور عفو و درگور ہیں۔ لیکن در حقیقت یہ اس کے محدود معنی ہیں۔ رحمت بہت وسیع لفظ ہے جو خداوند تعالیٰ نے اپنے لئے بھی اور حضور کے لئے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ غور و تدبیر سے یہ نتیجہ نکالنا یہ جانے ہو گا کہ اس لفظ میں جملے پدرانے اور مادرانے، معلمانے اور مریانے محبتیں اور شفقتیں جمع ہیں جن کا مکمل احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ مختصرًا رحمت، شواهد روایت کا مظہر اور سرمایہ بھجت و سعادت بھی ہے اور فرد اور معاشرہ کے جملے، کہون کی دوا بھی، اس میں تسلی اور مداوائے غم بھی ہے مگر مریانے تربیت اور معلمانے پیشہ سازی سانہ انذار پفرض اصلاح بھی ہے۔ بہر حال رحمت کا غالب عنصر وہ سلوک ہے جس سے قلب انسانی دکھ سے نجات پا کر اطمینان حاصل کر سکے بلکہ اس سے بڑھ کر قلوب میں شادابی کی کیفتی پیدا ہو جائز۔ جو یک گونہ توانانی اور نشوونما کی صلاحیت کی بھی ضامن ہو۔ لہذا حضور کے پیغام میں یہ سب یاتیں موجود ہیں جن کا ذکر ہوا۔

«رحمۃ للعالمین» کے مصنف قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب کی جلد سوم (صفحہ ۹۲ و بعد) میں حضور کی سیرت طیبہ سے حضور کے رحمۃ للعالمین ہونے کے ۳۶ سو انحصاری نتایاں شواہد پیش کئے ہیں جن میں آپ نے ان سب غیر معمولی شفقوتوں اور یہ نظریہ مہربانیوں کا تذکرہ کیا ہے جو خدا نے تعالیٰ کر آخی پیغمبر نے کیں۔ اور ان سے ان سب کمالات ثبوت (رضید و هدایت اور خیرخواہی، عام) کا ثبوت ملتا ہے جن کا اس سے قبل ذکر آ جکا ہے۔ جند مثالیں ہی کافی ہوں گی۔ آپ نے اذْفَعَ بِالْقُلُوبِ هی احسان پر عمل کیا اور کرایا۔ آپ نے وَلَا يَعْلُمُ مِنْكُمْ شَيْئًا قَوْمٌ عَلَى أَنَّ لَا تَمْلِئُوا إِعْدَلَوْا پر عمل کیا اور کرایا۔ آپ نے فتح مکہ کے بعد فرمایا فَإِذْ هَبُوا فِي أَنْشُمُ الظَّلَّامَ - ان مثالوں کے علاوہ

حضور کی جملہ تعلیمات میں تسلی، آسودگی، عدل اور رواداری جیسے شواهد رحمت پائی جاتی ہیں۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ مغرب سائنس اور شیکناوجی میں ناقابل یقین کمال تک پہنچ چکا ہے تو اس صورت میں مغرب کو کسی بیرونی پیغام کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ دعوی مغرب کو اکثر مفکر کرتے ہیں لیکن خود مغربی ادب یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان سب مذکورہ ترقیات کے باوجود مغرب قلبی اطمینان سے محروم ہے اور امریکہ و یورپ کے معاشروں میں کجری اور بر یقینی کے بھرمان بھی پیدا ہو گئے ہیں جو پرشانیوں کا موجب ہیں۔ اس لئے پیغام اور رہنمائی کی ضرورت واضح ہے۔

اگر مجہ سے بوجہا جائز کہ مغرب کی یہ پرشانیاں کیا ہیں (جن سب ان کے اپنے مصنفوں کے بیان کے مطابق بھی انکار نہیں کیا جا سکتا) تو میں عرض کروں گا کہ اس وقت مغرب کی بڑی اور مرکزی رشانیاں دو ہیں جو باقی سب پر محيط ہیں۔

اول خوف یعنی کسی خوتناک عالمگیر جنگ کا مسلسل خوف اور اس کے همراه وسائل زندگی کا تدریجی طور پر کم ہو کر ختم ہو جائز کا اندیشہ۔  
دوم قطع الفت و رفاقت و محبت جو کرب تنهائی اور خود بیزاری

(ALIENATION) پر منتج ہو رہا ہے اور بقول غالب ہے

سايسہ میرا مجہ سے مثل دُور بھاگر ہے اسد  
پاس مجہ آتش بھال کر کس سے نہہرا جائز ہے

اب ان دونوں خوفوں کے اسباب کیا ہیں؟

تو انہی نے مغربی انتشار قلبی کی صرف دو علامتوں کا ذکر کر کر بات ختم کر دی ہے کہ مغرب کی صرف دو بڑی کمزوریاں ہیں۔ ایک RACIAL DISCRIMINATION اور دوسرا ALCOHOLISM شپنگلر نے تو بھی دوری (CYCLIC) فلسفہ اقوام سے زوال مغرب کی اصل بیماری کا ذکر کیوں ہی کر دیا ہے لیکن بات اتنی ہی نہیں۔ یہ کہانی طویل ہے۔

علامہ اقبال کہے گئے ہیں ہے

عجب آن نیست کہ اعجاز مسیحنا داری

عجب آنست کہ بیمار تو بیمار تراست

در اصل مغربی بیماری کا آغاز اس تصور زندگی سر ہوا کہ دین اور دنیا دو الگ الگ حقیقتیں ہیں ۔ رفتہ رفتہ مادی فلسفوں کی بدولت ماورائی روحانی سب سلسلوں کا انکار ہوتا کیا ۔ دیکارت نے ہر وسیله علم و زندگی کو مسترد کر کے جزا و سزا اور عقبی اور رحمت کے جهیں ہونے عملہ وسائل سے انسان کو مایوس و معروم کر دیا ۔

اور اب آخری نقطہ نظر ہے AUTONOMY OF MAN اور خواہشات

نفس کی یہ روک تسکین ۔ یہ دراصل انسان کا غرور نفس ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے ۔

**يَا إِيَّاهَا الْأَنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرِّيَّكَ الْكَرِيمِ** قدرت نے مغرب کو ایک نعمت سر نوازا تھا جس کا نام سائنس ہے لیکن اس نے سائنس کو یہ محور فلسفہ بنایا کہ اپنی خدائی کے دعوے شروع کر دئے ۔ اور کہا کہ مذہب اور دین کی ضرورت نہیں کیونکہ سائنس ہر شے کے لئے کافی ہے ۔ (فضل محمد قطب نے اسے یوں ادا کیا ہے کہ خرابی کی انتہا یوں ہونی کہ مغرب کے فلسفیوں نے سائنس کو MYTH THE CHAEL مرتبا الطاف گوہر صفحہ ۳۱۲ ۔ جہاں ڈارون ، فرائیڈ اور LENGE OF ISLAM مارکس کے خیالات کا تعزیز کیا گیا ہے) ۔

بہر حال جب تجربی سر ثابت ہوا کہ سائنس بروج توبے لیکن صرف جزوی حقیقتوں کا ادراک کر سکتی ہے یعنی کلی حقیقت کا نہیں (جس کا احاطہ مذہب ہی کر سکتا ہے) تو اس تجربی سے آہستہ آہستہ ضمیر دار اہل فکر کو محسوس ہوا کہ انسان ایک نہایت ہی وسیع دنیا ہے ۔ اس کے داخلی قلبی دکھوں کا علاج سائنس کے پاس نہیں تو مایوسی پہلی گئی ۔ جان وتن کی تفریق بڑھتی گئی اور دل پر مردہ ہوتے گئے ۔ اب قریب ہو کر آپ دلوں کو ٹولیں

کچھ تو اکثر مغربی لوگ اندر سر دکھی نظر آئیں کرے۔ (جنانچہ ۱۹۶۰ء تا ۱۹۸۰ء کا مغربی ادب اسی کرب و اضطراب کا آئینہ دار ہے) معاشرتی اور تخلیقی ادب کے آئینے میں یہ تصور دیکھنی ہو تو ہاروڑ کے پروفیسر T.W.BELL کی کتاب CULTURAL CONTRADICTIONS OF CAPITALISM تھیا بالڈ کی کتاب BEYOND DESPAIR اور MAGEE کی کتاب RELIGION AND THE MODERN MIND کے اوراق پر نظر ڈالنے اور خود دیکھ لیجئے کسے برشانی، کجروی اور تحریبی احساس کس خطرناک حد تک بڑھ چکا ہے۔

عرض مغرب یا عصر حاضر کے دو بڑے بحران یہی ہیں اول خوف جنگ اور اندیشہ قحط وسائل۔ دوم کرب تہائی اور خاتمة محبت و رفاقت۔ یہ سب مادی فلسفوں کے نتائج ہیں جن میں خدا کا سہارا ختم کر دیا گیا اور تن کی خواہشات کی تسکین اور عیش امروز ہی کو سب کچھ سمجھہ لیا گیا۔ ایمان بالہ اور ایمانیات سے انکار۔ دین اور دنیا کی جدائی مغرب کا سب سے بڑا العیس ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بنیادی بیغام مغرب (عصر حاضر) کے نام عود إلى الإيمان (RETURN TO FAITH) ہے۔

ایمان (FAITH) کی اس ضرورت کا احساس دوسرا جنگ عظیم کے فوراً بعد کی مغربی شعوریات میں بھی آہستہ آہستہ پیدا ہوتا گیا تھا جس کا ظہور کئی شکاؤں میں ہوا ہے۔ اس کے علمبردار پال تیلچ (PAUL TILLICH) جیسے مغربی مفکر بھی ہیں اور داخلیت کی فلسفی بیوبر (BUBER) جیسے بھی ہیں۔ ایک مذہبی مفکر J.B. MAGEE نے ایک مبسوط کتاب RELIGION AND THE MODERN MIND میں جدید ذہن کا شرح و بسط سے تعزیہ کر کر FAITH کو مغرب کی سب سے بڑی ضرورت قرار دیا ہے۔ اور ایک اور مصنف نے اپنے ایک مضمون IT IS TIME TO REMIND WEST کے عنوان سے یو دب کو تبیہہ کی ہے کہ تباہی سے بچنا ہے تو خدا سے تعلق پیدا کرو۔ عرض ایمانیات کے حق میں آمادگی ہائی جاتی ہے اور حضور کے بیغام کے

لئے یہ وقت ہر طرح موزوں معلوم ہوتا ہے کاش عصر حاضر دین اسلام اور سیرت رسول پاک پر نہیں دل اور بیع تعصی سے نظر ڈال سکرے۔

حضور کی تعلیم و تلقین TOTALITY کلیت (دین اور دنیا، تن اور روح کی جامعیت) کی طرف رجعت کی دعوت دے رہی ہے تاکہ مغرب نے سخت محنت کر بعد جو مادی ترقی کی ہے وہ ضائع نہ ہو جائے۔

میں نے اور جس تفرقہ کا ذکر کیا ہے وہ صرف نظری معاملہ نہیں بلکہ اس کے عملی نتائج و ثمرات نے ساری دنیا کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے اسی تفرقہ کے تصور سے قومیت کا تصور پیدا ہوا ہے جس نے نسل انسانی کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور اب ہر قومیت دوسری قومیت سے گرم یا سرد جنگ میں مبتلا ہے سرمایہ داری اور اشتراکی استبداد بھی اسی کی نتیجی ہیں۔ قرآن مجید کی تعلیمات میں شعوب و قبائل کی عصیت اور ان کی باہمی جنگ کو (جن کی بنیاد پر آج قومیتیں ابھر رہی ہیں) «اُنکہ» قرار دیا گیا ہے اور الفت و رفاقت باہمی کو (بر بنائے وحدت انسانی) نعمت قرار دیا گیا ہے۔ آج بھی دنیا حضور کی دی ہونی اس نعمت کی بڑی شدت سے ضرورت مند ہے۔ آیت قرآنی یہ ہے۔

وَإِذْكُرُو نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءَ فَأَلَّفَّتِنِي قُلُوبِكُمْ فَلَا أَصْبَحْتُمْ يُنْعَيْهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُرْقَةٍ مِنَ النَّارِ فَانْقَذَكُمْ مِنْهَا (آل عمران ۱۰۳)

(ترجمہ) اور اللہ کے اسن احسان کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی یہ اس کی مہربانی سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئی اور تم جہنم کے کنارے پر پہنچ چکرے تھے پھر اس نے تم کو اس سے بجا لیا۔

اس مسئلے کا ایک پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ABSOLUTES کی زندگی پر زور دینے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاقیات میں انکار کر دیا گیا ہے لہذا اخلاقی اقدار ختم ہو گئی ہیں لہذا جبکتوں اور نفسانی راہشات پر کوئی کنٹرول نہیں رہا اسی سے وہ معاشرتی اور انفرادی انار کی

نموردار ہونی ہے جو مغرب میں عربیانی جنس پرستی اور «اینگری بوانے» اور «باربیرک ڈراما» جیسی کجریوی کو جنم دے رہی ہے۔ اب زندگی چونکے تعیش کا دوسرا نام ہے اس لئے دولت پرستی اور زر اندوzi (سرمایہ داری یا تکاٹ) واحد مقصد حیات بن گیا ہے جانچھے اسی کھے نتیجہ میں استعمار و استحصال عام ہو کر اب دنیا رقباتوں کا مرکز ہے اور دنیا دو مستقل بلاکوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔

قرآن مجید نے تکاٹ، اسراف و ترف کی سخت مذمت کی ہے اور اب بھی دنیا کو معاشرتی امن کی ضرورت ہو گئی تو اسی تن پرستی اور تکاٹ سے اجتناب کر کر توسط کی زندگی کو اپنانا ہو گا۔ اور اقتصاد کو جس کے معنی ہی میانے روی ہیں اقوام عالم کا ضروری معاشرتی معاشی رویہ بنانا یہ گا۔

مقصد یہ ہے کہ حضور کی تعلیمات کی رو سے ایک متوسط معاشی نظام ہی دنیا کے معاشی و معاشرتی مصائب کا علاج ہے۔ اسلام کے نزدیک مال و دولت یا مناسب سرمایہ کا حصول بُری چیز نہیں لیکن سرمایہ داری فی الحقیقت بُری ہے۔ اسی طرح انسان کی آزا دی معاش کو سلب کر لینا بھی مذموم ہے۔

حضور کی معاشی تعلیم میانے روی کی دعوت دیتی ہے اور مغرب کے ان دونوں دبستانوں کو حضور کی دعوت پر غور کرنا چاہئے۔

لہذا اسلام اور حضور کی تعلیم اقتصاد کی طرف بلاتی ہے جس میں سرمایہ داری کے وہ ہولناک مظاہر بھی نہ ہوں جو یورپ اور امریکہ میں نموردار ہوتے ہیں اور اجتماعی پیداوار کے نام سے فرد کی آزادی اور اس کی محنت کا جس سے طرح استحصال کیا جا رہا ہے وہ بھی نہ ہو۔

اس کے لئے حضور کے قائم کرددہ نظام کو کیوں نہ دیکھ لیا جائے، اس پر یقیناً ایک عادلانہ عالمگیر معاشی نظام تیار کیا جا سکتا ہے جس میں ہر کوئی خوش دلی سے کمائی اور ربانٹ کر کھائے۔

میرا خیال ہے کہ مغربی مفکرین نے اسلام کے خاندانی نظام کا بغور مطالعہ نہیں کیا اور نہ یہ محبت و تباون کے علاوہ معاشی کفالت عمومی کی

ایک عملی صورت ہے۔ اس کے علاوہ مغرب اگر اسلامی شورائی اصول کی روشنی میں اپنی جمہوریت کا بھی تجزیہ کرے تو وہ یقیناً اس نتیجے پر پہنچ جے گا کہ اقتدار کی پسند یا تقویٰ پر یا عقل پر ہونی چاہئے اکثریت کا اصول طفل تسلی سے کم نہیں۔ اس معاملے میں اسلام کا مطالعہ یقیناً زیادہ عملی اور منصفانہ نتائج پیدا کرے گا۔

اسلام کا ایک اہم عقیدہ وحدت نسل انسانی ہے۔  
 يَايَهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبِّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْتَنَسٍ وَاحِدٌ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَتَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً۔ (۳۰ النساء)

حضور کی تعلیم اسی عظیم تصور پر زور دیتی ہے اور اس معاشرتی اشتراک کی روادار ہے جس میں کسی غیر مسلم معاشرہ سے بھی مشترک اصولوں کی بنیاد پر تعاون کیا جا سکتا ہے۔ اس کا ثبوت میثاق مدینہ ہے۔ (جس کے ذریعے آپ نے یہودیوں کے ساتھ شہریت میں اشتراک کیا) اس کے علاوہ آپ نے معاصر سلاطین کے نام جو مکاتیب لکھنے میں کلمۃ سوَاء يَبْتَأْتَ وَبَيْتُكُمْ کے اصول کو دھرا یا۔

آپ نے قرآن مجید کی مشہور آیت کریمہ اِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقْأَمُ کے مضمون کے مطابق انسان کی اکرمیت کی بنیاد تقویٰ اور شرافت کو بنایا اور خطبہ حجۃ الوداع سن تو صاف اعلان کیا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی احمر کو اسود پر ترجیح حاصل نہیں۔ صرف تقویٰ کی بنیاد پر کوئی شخص افضلیت حاصل کر سکتا ہے۔ محض رنگ و نسل وغیرہ کافی نہیں۔ اسلام کی تاریخ میں ہندوستان اور مصر کے غلام بھی سلاطین بنتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی قرآنی تعلیم کا نتیجہ تھا۔

آج کے دور میں کبھی کھلا اور کبھی کنایہ سفید فام اقوام اپنے رنگ اور دوسرے اوصاف کو وجہ تفاخر بناتی ہیں لیکن حضور کی تعلیم اس کے خلاف ہے اور آپ نے اپنی زندگی میں اس کے عملی ثبوت بھی پیش کئے ہیں۔ اسی اصول یا عقیدے کی بنیاد پر اسلام کو PLURALISM جیسی کوئی مشکل پیش

نہیں آئی۔ امریکے چاہرے تو نسلی مسئلے کا حل اسلام کی تعلیم کے ذریعے کر سکتا ہے۔

وحدت نسل انسانی کے تصور کے اندر سر مغرب کے بعض مفکر تمام عالم کی واحد ریاست کا تخیل پیش کرنے کے مدعی ہیں اور حقوق عامہ کے معاملے میں سبقت کا دعوی بھی کرتے ہیں اور کنگ جان کے میگنا کا رٹا (۲۱۵) (۱۶) کو اوپرین دستاویز حقوق اور بعد کی متعدد وحدت آفرین تجویزوں مثلاً پین یورپا لیگ آف نیشنز اور موجودہ یونائیڈ نیشنز وغیرہ کا بطور مثال تذکرہ کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ واحد عالمی ریاست کے نصب العین کا سنگ بنیاد حضور نبی مسیح موعده کے علاوہ خصوصی طور سے خطبہ حجۃ الوداع میں رکھتا تھا۔ جن مثالوں کا ذکر اوپر آیا ہے وہ یا تو محدود تھیں یا ناقابل عمل تھیں کیونکہ ان کی بنیاد صرف مادی تھیں اور وہ اس روحانی کشش سے خالی تھیں جو قلوب میں پائیدار الفت پیدا کر سکتی ہو۔ (کتاب UNIFICATION OF MANKIND کے آخری باب کے دلائل، اسلامی تعلیمات سے متأثر ہیں) بالیقین حضور کی دعوت اور سیرت ہی ایک پائیدار دستور العمل ہے جو کسی واحد عالمی ریاست کے خواب کی عمل تشکیل کر سکتی ہے۔ کیونکہ یہ رب العالمین اور جمیع الناس کے اصول پر مبنی ہے۔

جس دن مغرب ان بنیادی اصولوں کو تسلیم کر لے گا اس کے جملے اقتصادی، معاشرتی، معاشی اور تمدناتی نظام خود بخود خدا ترسی، انصاف، عدل، رفاقت، مساوات اور توسط کے اصولوں پر چلنے لگیں گے، کویا زمین پر اللہ کی حاکیت قائم ہو جائے گی۔

